OPEN ACCESS
Al-Qālam القلم
P-ISSN: 2071-8683; E-ISSN: 2707-0077
Volume 28, Issue, 1, 2023
http://alqalamjournalpu.com/

"مباحث فی علوم القرآن" میں ڈاکٹر صبحی صالح کی فکر کا تنقیدی مطالعہ

A Critical Study of Dr. Sobhi Saleh's thought in "Mubahikh fi Ulumel-Quran"

Arshad Aziz, Assistant Professor
Govt. Graduate College, Mianwali

Abstract

KEYWORDS:

Quranic Sciences, Lectures on Quranic sciences, Methods of Tafseer.

Date of Publication: 30-06-2023

Dr. Sobhi Saleh was agreat Islamic Scholar from Lebanon who was born in 1962CE and died in 1996CE. He was the author of fifteen books. His book "Discussions on the sciences of the Quran" gained considerable popularity and was included as syllabus in many universities. He added to his sermons in order to publish them in the form of book .Through this book he wants to inform the students about the Quranic sciences, but also wants to inform them about the Orientalistic style of understanding the Quran.In his objectives he seemed quite successful.This book is the result of many important books written on the Quranic sciences.The research question is what are the unique ideas that they possess in the science of Quran?This research will help to know his unique views about the sciences of the Quran.This research has been done based on his ideas in this book.Modern style of research will be adopted in writing the article.

1۔تعارف موضوع:

ڈاکٹر صبحی صالح (1926ء-1986ء) ایک عظیم اسلامی سکالر تھے جنہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری سوربون یونیورسٹی سے حاصل کی۔انہوں نے ایک خطیب، معلم، مصنف اور محقق کے طور پر اسلامی علوم کی خدمت کا فریضہ سر انجام دیا۔انہوں نے پندرہ کتب تصنیف کی ہیں۔ان کی کتب میں سے "مباحث فی علوم القرآن "اور "علوم الحدیث و مصطلحہ "کو خاصی شہرت حاصل ہوئی ہے۔پروفیسر غلام احمد حریری نے ان کتب کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔

مباحث فی علوم القرآن ڈاکٹر صبحی صالح کے ان خطبات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے آرٹس کالج دمشق یونیورسٹی میں عربی زبان وادب کے طلبہ کو ارشاد فرمائے تھے۔یہ خطبات کئی اہم قرآنی موضوعات سے متعلق ہیں، جن کا باریک بینی اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے۔ان خطبات کو اپنے علمی انداز کی وجہ سے پسند کیا گیا۔یہ خطبات جہاں طلبہ کے لئے مفید ہیں وہیں پر محققین کے پسندیدہ بھی ہیں۔

کتابی شکل میں شائع ہونے کے بعد مصنف نے ان خطبات میں کافی اضافہ کیا ہے۔اس کتاب کی تصنیف کے دوران انہوں نے آسانی اور اختصار کو مد نظر رکھا ہے ۔مصنف اس کتاب کے ذریعہ علوم اسلامیہ کے طلبہ کو قرآنی علوم کی طرف متوجہ اور آگاہ کرنا چاہتا ہے ۔دوسری طرف مصنف کا مقصد مستشرقین کے انداز قرآن فہمی سے آگاہ کرنا اور ان کے اعتراضات کو علمی طور پر رد کرنا ہے۔ان مقاصد کے حصول میں وہ کافی کامیاب رہے۔

اس کتاب میں قرآن اوروحی، تاریخ قرآن اور علوم القرآن کی کتب کی فہرست پیش کی گئی ہے ۔وحی کی وضاحت بہت زیادہ طویل ہے کیونکہ حقیقت وحی کا مفصل ذکر علوم القرآن کے بیان میں ایک تمہید کا درجہ رکھتا ہے۔علوم القرآن کے سلسلہ میں اسباب نزول، مکی مدنی سور، علم قرآءت، ناسخ ومنسوخ اور محکم ومتشابہات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔آخری باب میں علم تفسیر کے سلسلہ میں عربی کی چند اہم تفاسیر کی امتیازی خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے ۔اس کے بعد تین فصول میں تفسیر القرآن بالقرآن، اعجاز القرآن اور قرآن حکیم کے صوتی اعجاز پر بہت خوبصورت انداز میں تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

اس تحقیق کا مقصد ان سوالات کا جواب تلاش کرنا ہے کہ ڈاکٹر صبحی صالح کی کتاب کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں؟ علوم القرآن کی اس تالیف میں وہ کیا ہے جو باقی کتب میں موجود نہیں ہیں؟ مصنف نے کس کس مقام پر علوم القرآن کے متقدم مصنفین سے اختلاف کیا ہے؟ معلومات کے اندراج میں وہ کونسی چیزیں ہیں جو انہیں دوسرے مصنفین سے مختلف کر دیتی ہیں؟ کتاب کی تدوین میں انہوں نے کن مصادر ومراجع سے استفادہ کیا ہے؟

مصنف نے علوم القرآن کی کتب کی تدوین کا سن ہجری کی ترتیب سے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے "الاتقان" اور "البرہان فی علوم القرآن" سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ مصنف نے علامہ رشید رضا مصری، سید قطب شہید اور مصطفی صادق الرافعی کی کتب سے بھی معلومات درج کی ہیں۔ میری تحقیق کا مرکز خاص ان کی کتاب سے مباحث کو تلاش کر کے ان کی انفرادیت کو ثابت کرنا ہے۔ تحقیق میں جدید ذرائع کو استعمال کیا جائے گا اور لائبریریز سے استفادہ بھی کیا جائے گا۔ اس سے پہلے ایسی کوئی کاوش اردو زبان میں موجود نہیں ہے۔

2۔ مصنف کا تعارف:

ڈاکٹر صبحی صالح لبنان کے شہر طرابلس میں 1926ء (بمطابق 1345ھ) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ثانوی (سیکنڈری) تعلیم (شہری اور قانونی) طرابلس میں "دارالتربیہ" سے حاصل کی۔ 1938ء میں قانون کی تعلیم کے دوران وہ جبہ پہن کر خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے لگ گئے۔

بعد ازاں انہوں نے مصر کی مشہور دینی درسگاہ جامعۃ الازہر کے اُصول الدین کالج سے تعلیم حاصل کرنے کا آغاز کیا۔ یہاں 1943ء میں شہری اور قانونی ثقافتوں کی مشترکہ تعلیم حاصل کی۔ 1947 میں شہادۃ العالیہ اور 1949 ء میں شہادۃ العالمیہ کی سند حاصل کی ۔1949ء میں ہی قاہرہ یونیورسٹی کے "كلية الادب" (Faculty of Arts) سے وابستہ ہوئے اور 1950ء میں یہاں سے عربی ادب میں سند حاصل کی۔ 1950ء میں ہی آپ پیرس چلے گئے اور 1954ء میں سوربون یونیورسٹی سے ادب وریاست میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

پیرس میں چار سالہ قیام کے دوران اپنے دوست اور محقق اسلام ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی کے ساتھ مل کر دنیا میں پہلا اسلامی ثقافتی مرکز قائم کیا۔اسی زمانے میں آپ نے پیرس کی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد تبلیغ کرنے کا آغاز کیا۔آپ افریقیوں اور خاص طور پر شمالی افریقہ کے مسلمان بچوں کو عربی زبان کی تعلیم دیتے تھے۔فرانسیسی دارالحکومت کے کلبوں میں بھی لیکچر دیتے تھے۔

انہوں نے یونیورسٹی کی تدریس میں بتیس سال گزارے۔انہوں نے بغداد میں 1954ء سے 1956ء تک تدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔اس کے بعد دمشق میں 1956ء سے 1963ء تک تدریس کے شعبہ سے وابستہ رہے۔جامعہ اردن میں 1971ء سے 1973ء تک پڑھاتے رہے۔وہ اسی یونیورسٹی میں شعبہ اصول الدین کے چیئر مین بھی تھے۔1975ء میں کالج آف آرٹس اینڈ ہیومینیٹیز لبنان یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے سربراہ منتخب ہوئے۔1977ء میں فیکلٹی آف آرٹس کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور وہ اس کالج میں اسلامیات اور لسانیات کے چیئر پروفیسر بھی تھے۔آخر میں محکمہ اعلی تعلیم بیروت میں پروفیسر مقرر ہوگئے۔عرب یونیورسٹی بیروت کے قیام سے لے کر اپنی وفات تک پڑھاتے رہے۔

اس کے علاوہ کئی عربی یونیورسٹیز میں وزیٹنگ پروفیسر کے طور پر بھی لیکچر دیئے، ان میں ریاض کی امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی، زیتون لا کالج اور شعبہ اُصول دین تیونس یونیورسٹی شامل ہیں۔

وہ ڈاکٹریٹ کے ان مقالات کے نگران مقرر ہوئے جو ثقافتی، لسانی اور علوم اسلامی کے مقالات تھے اور اپنی وفات تک ان مقالات کے مباحثے میں شریک رہے۔آپ کئی اکیڈمیز سے تعلق رکھتے تھے۔آپ قاہرہ میں عربی زبان کی ایک اکیڈمی کے رکن رہے۔اسی طرح مراکش کی بادشاہی اکیڈمی کے رکن رہے۔بغداد میں علمی اکیڈمی اور اس سپریم کمیٹی کے بھی رکن تھے جو گریٹر عرب انسائیکلو پیڈیا کی نگرانی کررہی تھی۔

وہ اپنی زندگی میں کئی مناصب پر فائز رہے۔وہ اسلامی سپریم کونسل (اعلی اسلامی مجلس) کے صدر رہے۔یہ وہی مجلس ہے جس کے سربراہ لبنان میں مفتی حسن خالد شہید تھے۔یہ لبنان میں اعلی اسلامی عہدہ تھا۔پھر وہ لبنان میں پندرھویں صدی ہجری کی سپریم کمیٹی کے صدر ہوگئے اور لبنانی علماء کی ایسوسی ایشن کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔لبنان میں ہی نیشنل اسلامک فرنٹ کے سیکرٹری جنرل بھی رہے۔

انہوں نے اسلام میں امتیازی فکر کا اعزاز حاصل کیا۔ یہ اعزاز انہیں عرب آرگنائزیشن آف ایجوکیشن کلچر اینڈ سائنس کی طرف سے 23جون1986ء میں عطا کیا گیا۔

آپ لبنان میں 7اکتوبر1986ء(1407ھ) میں شہید کر دیے گئے۔ آپ کو سنیوں کا ایک شہید کہا گیا۔[1]

3۔ڈاکٹر صبحی صالح کی دیگر تصانیف:

آپ نے درج ذیل تصنیفات تحریر کی ہیں۔

1. اسلام و المجتمع العصری
2. النظم الاسلامیه نشأتها و تطورها
3. المرأة فی الإسلام
4. نہج البلاغة لامیر المومنین علی بن ابی طالب (ضبط نصوصه وابتکر فهارسه العلمیة)
5. احکام اهل الذمة لابن قیم الجوزیة (تحقیق وتعلیق)
6. شرح شروط العمریة
7. دراسات فی فقه اللغة
8. مباحث فی علوم القرآن
9. اسلام و مستقبل الحضارة
10. منهل الواردین شرح ریاض الصالحین للنووی
11. اسلام والمجتمع العصری حوار ثلاثی حول الدین و قضایا الساعة
12. فلسفة الفکر الدینی بین الاسلام و المسیحیة
13. علوم الحدیث و مصطلحه
14. معالم الشریعة الاسلامیه
15. انکب علی اخراج (المعجم العربی)و(المعجم الفرنسی)مع الدکتور سهیل ادریس۔[2]

4۔علوم القرآن کی تعریف:

لغوی اعتبار سے علوم القرآن مرکب اضافی ہے۔علوم "مضاف" اور القرآن "مضاف الیہ" ہے۔علوم، علم کی جمع ہے اور القرآن مصدر ہے۔علمائے سلف کے نزدیک علوم القرآن مسائل کے اس

مجموعہ کو کہتے ہیں جس میں قرآن کریم کے نزول، کتابت، جمع و تدوین، تفسیر الفاظ اور بیان خصائص و اغراض سے بحث کی جاتی ہے۔[3]

مفتی محمد تقی عثمانی علوم القرآن کی اصطلاحی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں:

"علوم القرآن ایک وسیع و عریض علم ہے اور اس میں علم تفسیر کے مبادی اور اصول واضح کیے جاتے ہیں، قرآن کریم آنحضورؐ پر کس طرح نازل ہوتا تھا؟وحی کی حقیقت کیا ہے؟اللہ تعالی کی یہ کتاب کس ترتیب سے نازل ہوئی؟کتنے عرصہ میں اس کا نزول مکمل ہوا؟مکی(یا) مدنی سورتوں کا کیا مطلب ہے؟شان نزول کسے کہتے ہیں؟تفسیر قرآن میں شان نزول کا کیا مقام ہے؟قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ ہے یا نہیں؟قرآن کے مختلف حروف اور قراءتوں کا کیا مطلب ہے؟قرآن کریم کس قسم کے مضامین پر مشتمل ہے؟اللہ تعالی نے اس کتاب کو کس طرح محفوظ رکھا ہے؟اور اس کی کتابت وطباعت کتنے مراحل سے گزری ہے؟قرآن کریم کی تفسیر کے کیا اصول وآداب ہیں؟اللہ تعالی کی اس کتاب کو سمجھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟اور اس طریقہ میں کون سی غلطیاں انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں؟یہ اور اس قسم کے دوسرے بہت سے سوالات کا مفصل جواب"علوم القرآن" میں دیا جاتا ہے۔"[4]

5۔علوم القرآن کی اقسام:

علوم القرآن کی حسب ذیل تین اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

ا۔نامعلوم اسرار:

علوم القرآن کی اس قسم میں ایسے اسرار و رموز شامل ہیں جن کی اطلاع خداوند کریم نے کسی کو نہیں دی مثلاً ذات خداوندی کی حقیقت اور غیبی اشیاء جن کا علم اللہ تعالی کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ اس قسم میں دخل اندازی کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ کو معلوم اسرار:

علوم القرآن کی اس قسم میں ایسے اسرار شامل ہیں جن کی اطلاع اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو دی اور وہ آپ ﷺ کے لئے خاص ہیں۔ ایسے امور میں رائے زنی کا حق صرف آنحضورؐ کو حاصل ہے یا جس کو آپ اجازت دیں۔ کچھ علماء کے نزدیک قرآنی سور کے آغاز میں جو حروف مقطعات ہیں، وہ اسی قسم میں شامل ہیں۔ جبکہ کچھ علماء نے ان کو پہلی قسم میں شمار کیا ہے۔

۳۔ کتاب الٰہی میں دیعت کردہ علوم:

تیسری قسم ان علوم پر مشتمل ہے جو خداوند کریم نے اپنی کتاب میں ودیعت کیے ہیں۔ نبی کریمؐ کو تعلیم دی اور آپؐ کو دوسرے لوگوں کو سکھانے کا حکم دیا۔ ان کی دو اقسام ہیں:

(I) ایک قسم تو وہ ہے کہ شارع سے سنے بغیر اس میں رائے دینا درست نہیں۔ مثلاً اسباب نزول، ناسخ و منسوخ۔ مختلف قسم کی قرائتیں، لغات، گزشتہ اقوام کے واقعات آئندہ زمانے میں پیش آنے والے حوادث اور ایسے معاملات جن کا تعلق قیامت کے ساتھ ہے۔

(II) دوسری قسم میں نظر و استدلال اور استنباط سے کام لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ان آیات متشابہات کی تاویل جو صفات باری تعالی میں وارد ہوئی ہے، مگر ان کی تاویل کے جواز، عدم جواز میں علما کا اختلاف ہے یا شرعی احکام اور حکم و اشارات کا استنباط جو سب علماء کے نزدیک جائز اور درست ہے۔[5]

6۔ "علوم القرآن" کا بطور اصطلاح آغاز:

بعض محققین کے نزدیک اصطلاح "علوم القرآن" جامع اور وسیع مفہوم کے ساتھ سب سے پہلے کتاب "البرهان فی علوم القرآن" میں استعمال کی گئی جو علی بن ابراہیم بن سعید الحوفی (متوفی 430ھ) کی تصنیف ہے۔[6]

7۔ کتاب "مباحث فی علوم القرآن" کا مختصر تعارف:

ڈاکٹر صبحی صالح یونیورسٹی آرٹس کالج لبنان میں فقہ اللغہ اور علوم اسلامیہ کے پروفیسر تھے۔ یہ کتاب دمشق یونیورسٹی کے آرٹس کالج میں عربی زبان وادب کے طلباء کو دیئے گئے خطبات سے ماخوذ ہے۔ یہ تقاریر قرآنی موضوعات اور مباحث پر مشتمل تھیں جنہیں مقبول علمی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کو طلبہ اور محققین نے پسند کیا۔ اس کتاب کی حیثیت یونیورسٹی میں ہونے والی تقاریر سے زیادہ نہ تھی۔ بعد ازاں اس کتاب میں بہت زیادہ اضافے اور ترامیم کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے جامعیت اور ہمہ گیری کی بجائے سہولت اور اختصار کے پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا مقصد عربی اسلامی ثقافت کے طلباء کو قرآن مجید سے متعلق مختلف اور اکثر علوم سے آگاہ کرنا ہے۔ ان کے اذہان کو ان قرآنی علوم کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ یہ کتاب 1958ء میں شایع ہو کر منظر عام پر آئی۔

اس کتاب کی تحریر کا ایک اہم مقصد مستشرقین کو قرآن سمجھنے کے طریقے اور انداز سے متعارف کرانا تھا جس میں مصنف کافی حد تک کامیاب رہے۔

کتاب کے پہلے باب میں مصنف نے قرآن اور وحی کو بیان کیا ہے اور وحی کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح حقیقت وحی کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ یہ قرآنی علوم کے لئے ایک طبعی تمہید کی طرح ہے۔ قرآن کے تاریخی نزول اور اس کے اسرار کو مفصل بیان کیا ہے۔

اس کتاب کا دوسرا باب قرآن مجید کی تاریخ سے متعلق ہے جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔ ابتدائی حصہ میں قرآن مجید کی جمع اور تدوین کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مستشرقین کے شکوک وشبہات کی تردید کی گئی ہے۔ اس باب کے دوسرے حصے میں عثمانی مصاحف کی تجوید و تحسین کے زمانے کی تفصیل میں طباعت کے مختلف اَدوار بیان کئے گئے ہیں۔ باب کے آخری حصہ میں حروف سبعہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ مصنف کے نزدیک حروف سبعہ کے بیان میں انتہائی اہم دینی مسائل پائے جاتے ہیں، جن کی کی اچھائی

یا برائی کو جاننا اور ان کی طرف متوجہ ہونا علما کے لیے ضروری ہے۔ علما کے اس غور و فکر سے انتہائی مفید نتائج بر آمد ہوں گے۔

کتاب کا تیسرا باب سات فصول اور دو سو تیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ قرآنی علوم سے متعلق تفصیلی باب ہے جو تقریباً نصف کتاب پر مشتمل ہے۔ تیسرے باب کے ابتدائی حصہ میں مصنف نے علوم القرآن کا تاریخی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے تیسری سے نویں صدی ہجری میں علوم القران پر لکھی جانے والی کتب کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ان کتب کا شمار علوم القرآن کی اہم کتب میں ہوتا ہے، یہ تفصیل بیان کرنا مصنف کی انفرادیت ہے۔

تیسرے باب کی دوسری فصل میں علم اسباب نزول کو بیان کیا گیا ہے اور قدیم کتب و مصنفین کی اغلاط کی نشاندہی کی گئی ہے۔ قرآنی علوم کے سلسلہ میں مکی اور مدنی سور پر بحث کی گئی ہے۔ سورتوں کے آغاز کا سرسری جائزہ پیش کیا ہے۔ مصنف کی یہ خوبی ہے کہ مستشرقین کے اعتراضات نقل کر کے علمی انداز میں اس کا رد بھی پیش کرتے ہیں۔

اس باب کی پانچویں فصل میں علم قراءت اور قرآن کا مختصر ذکر کیا گیا ہے، جس میں قرأت سبعہ، قرأت عشرہ اور چودہ قراءتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ سنت کے اعتبار سے قرأت کی چھ اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔ اس باب کی چھٹی فصل میں علم ناسخ اور منسوخ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ نسخ کی تعریف، نسخ کی اقسام، علماء کے اختلافات بیان کئے ہیں۔

مصنف نے جہاں عثمانی مصاحف میں موجود تجوید اور تحسین کا ذکر کیا ہے وہیں پر انہوں نے قرآنی رسم الخط اور زمانے کے ساتھ ساتھ اس میں ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں جدید تحقیقات کا اضافہ کیا ہے۔ یہ تحقیقات ان لوگوں کے لئے مفید ہیں جو عربی رسم الخط کو درست کرنا چاہتے ہیں اور اس رسم الخط میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کو معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

باب کے آخری حصہ میں محکم اور متشابہات کی تفصیل بیان کی ہے۔ متشابہات کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں۔ صفات باری کے سلسلہ میں سلف و خلف کے مذہب اور طریقے کو بیان کیا گیا ہے۔

آخری باب میں علم تفسیر اور علوم القرآن کو بیان کیا گیا ہے۔ علم تفسیر کے سلسلہ میں چند اہم اور معاصر عربی تفاسیر کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے یہ بیان کیا ہے کہ قرآن اپنی تفسیر آپ ہے۔ اعجاز القرآن پر بحث کی گئی ہے اور قرآن کریم کے صوتی اعجاز اور حسن و جمال کو بیان کیا گیا ہے۔ مصنف نے علامہ رشید رضا، سید قطب شہید اور مصطفی صادق رافعی کی کتب سے تفصیلات بیان کی ہیں۔ غرض یہ کتاب قرآنی علوم پر لکھی گئی قدیم اور جدید کتب کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ایک سو کتب کی جامع ہے جو قرآنی علوم کے طلبہ کے لئے انتہائی مفید ہے۔

8۔ علوم القرآن میں ڈاکٹر صبحی صالح کے امتیازات کا موازنہ

1۔ اسماء قرآن:

اس کتاب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے آٹھ اسمائے قرآن کا ذکر کر کے ان کا مادہ اشتقاق بھی ذکر کیا ہے کہ یہ نام قرآن میں کس مقام پر مذکور ہے۔ یہ نام اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی وحی کے لئے منتخب اور بیان کئے ہیں۔ یہ نام عربی کلام کے ناموں سے اجمال وتفصیل کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ ہر نام میں اہم چیز اس نام کی وجہ تسمیہ بیان کرنا ہے۔

انہوں نے "الکتاب" اور "القرآن" کی وضاحت علماء کے اقوال اور نادر عربی کتب سے کی ہے۔ انہوں نے ان دونوں ناموں کی اصل آرامی زبان کو قرار دیا ہے۔ آرامی زبان میں کتابت کے معنی حروف کا لکھنا اور نقش کرنا کے ہیں۔ انہوں نے لفظ "قرآن" کے مہموز اور غیر مہموز (حرف اصلی کے مقابلہ میں ہمزہ کا ہونا یا نہ ہونا) ہونے پر علماء کی آراء کو نقل کیا ہے۔ امام شافعیؒ، الفراء نحوی اور امام اشعری کے نزدیک یہ لفظ غیر مہموز ہے۔ پہلی رائے کے مطابق لفظ قرآن قرأت سے ماخوذ نہیں ہے اگر قرأت سے ماخوذ ہوتا تو پھر ہر پڑھی جانے والی کتاب کو قرآن کہا جائے گا۔ ان کے نزدیک قرآن کتاب الہی کا توراۃ وانجیل کی طرح ایک نام ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قرآن قرائن سے ماخوذ ہے کیوں کہ قرآنی آیات باہم ملی جلی ہیں۔ ڈاکٹر صبحی صالح کے نزدیک غیر مہموز قرار دینا قواعد اور لغت کے لحاظ سے بعید از قیاس ہے۔

مہموز قرار دینے والوں نے قرآن کو بروزن فعلان مہموز قرار دیا ہے اور اس کا مادہ القراء کو قرار دیا ہے، جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اس طرح اس کتاب میں سابقہ الہامی کتب کے ثمرات اور نتائج کو

جمع کیا گیا ہے۔ دوسری رائے کے مطابق قرآن بروزن غفران مصدر ہے اس کے حروف اصلی "قرء" معنی پڑھا ہے۔ یہاں مصدر مفعول کے معنی میں ہے۔ قرآن کو یہ نام دینے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ڈاکٹر صبحی صالح نے اسی آخری رائے کو زیادہ وقیع اور راجح قرار دیا ہے۔ قرآن قرأت کی طرح مصدر ہے اور ان دونوں کے مفاہیم میں کوئی فرق موجود نہیں ہے۔ ارشاد الہی ہے:

اِنَ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْءَانَهٗ.فَاِذَا قَرَ اْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْ اٰنَهٗ[7]

بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور پڑھنا جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو اس کے بعد آپ پڑھیں

عربوں نے لفظ قرأت کو تلاوت کے علاوہ دیگر معانی میں بھی استعمال کیا ہے۔ یہ لفظ انہوں نے متمدن اور مہذب اقوام سے حاصل کیا اور اسے معرب بنا دیا۔[8]

ڈاکٹر صبحی صالح کے نزدیک علماء اسلام نے قرآن مجید کے نام مقرر کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ کسی نے پچپن تو کسی نے نوے نام بتائے ہیں۔ ان میں سے بعض نے اسماء، صفات اور القاب کو ایک ہی چیز سمجھا ہے۔

مفتی تقی عثمانی نے ڈاکٹر صبحی صالح کی طرح اسماء قرآن مجید کی تعداد کے بارے میں دو اقوال نقل کئے ہیں۔ایک قول کے مطابق قرآنی ناموں کی تعداد پچپن جبکہ دوسرے قول کے مطابق ان کی تعداد نوے تک بیان کی گئی ہے۔ان کے نزدیک قرآنی ناموں کی تعداد کی کثرت کی وجہ یہ ہے کہ بعض قرآنی صفات کو نام قرار دے دیا گیا ہے۔ انہوں نے حقیقی معنی میں قرآن مجید کے پانچ ناموں پر اکتفا کیا ہے جو یہ ہیں: القرآن، الفرقان، الذکر، الکتاب اور التنزیل۔ ان ناموں میں سے زیادہ شہرت جس نام کو حاصل ہوئی وہ "قرآن" ہے، جو کم از کم اکسٹھ مرتبہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ قرآن کی لفظی تصریح میں وہ صبحی صالح سے متفق نظر آتے ہیں تاہم وہ اس کا معنی کرتے ہیں "پڑھی ہوئی کتاب" تاہم ایک پہلو بیان کرنے میں وہ مختلف ہیں کہ قرآن کی ترجیحاوجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ نام کفار مکہ کے رد میں رکھا گیا ہے جو کہتے تھے:

وقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْالَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَاالْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ
لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ[9]

اور کفار نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور اس (کی تلاوت کے درمیان)
میں شور مچایا کرو تا کہ

تم ہی (یعنی تمہاری آواز) غالب رہو۔

کفار مکہ کی تردید میں قرآن نام رکھنے میں یہ پیغام موجود ہے کہ دعوت قرآن کو اوچھے ہتھکنڈوں سے نہیں دبایا جاسکتا۔ قرآن پڑھنے اور تلاوت کرنے کے لئے نازل ہوا ہے اور اس دنیا کے اختتام تک قرآن مجید کی تلاوت جاری رہے گی۔ آج یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم ہی دنیا میں سب سے زیادہ، بار بار پڑھی جانے والی کتاب ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

ڈاکٹر صبحی صالح نے قرآن مجید کے دو نام العلی اور العربی بھی بتائے ہیں۔ مفتی تقی عثمانی نے عربی کو صفت قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر صبحی صالح اور مفتی تقی عثمانی نے قرآن مجید کی تقریباً ایک جیسی تعریف بیان کی ہے تاہم ڈاکٹر صبحی صالح کی تعریف میں ایک اضافہ ہے کہ جس کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ مولانا گوہر رحمان اور مفتی تقی عثمانی نے قرآن مجید کی اصطلاحی تعریف "التلویح مع التوضیح" سے نقل کی ہے جبکہ ڈاکٹر صبحی صالح کی نقل کردہ تعریف کے نیچے حوالہ نہیں دیا گیا۔ مولانا گوہر رحمان نے اس تعریف کی وضاحت بھی کی ہے اور قرآن مجید کو اللہ کا کلام قرار دیتے ہوئے فقہائے اربعہ اور امام محمد بن اسماعیل بخاری کی عبارات کو نقل کیا ہے کہ قرآن مجید کلام الہی ہے اور یہ معجزہ ہے اور اسے مخلوق نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم اس کا لکھنا، پڑھنا، یاد کرنا اور سننا وغیرہ انسانوں کا کام ہے جو مخلوق ہیں۔

2۔ وحی کے قرآنی مفہوم کا دفاع:

ایک مستشرق جارج پورٹ نے قرآنی ڈکشنری تیار کی جو 1894ء میں بیروت میں شائع ہوئی ۔ ڈاکٹر صبحی صالح نے اس ڈکشنری میں بیان ہونے والے وحی کے مفہوم پر دکھ کا اظہار کیا ہے۔ مذکورہ ڈکشنری میں وحی کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے:

> "وحی کا معنی یہ ہے کہ کاتب پر کسی بات کا اس طرح الہام ہو کہ روح خدا
> اس میں حلول کر جائے، وہ روحانی حقیقتوں اور پوشیدہ خبروں سے اچھی

طرح آگاہ ہو جائے۔ لیکن اس وحی کی وجہ سے اس کی شخصیت بھی قائم رہے اور وہ اپنے طریقے کے مطابق کام کرتا رہے۔ڈاکٹر صبحی صالح نے اس تعریف کو اس لئے افسوسناک قرار دیا ہے کیوں کہ یہ اس کشف والہام سے متعلق ہے جس کی عمدہ ترین قسم الہامی شعرا اور عارفین صوفیاء کے ہاں موجود ہے اور اس کی بد ترین قسم کاہنوں اور نجومیوں کے ہاں دیکھنے کو ملتی ہے، جو پرلے درجے کے جھوٹے اور دجال ہوتے ہیں۔اس تعریف کے پیش نظر وحی کا اصلی تصور جو تعلق باللہ اور ذات خداوندی سے اخذ و استفادہ پر مبنی ہوتا ہے، ذہن سے دور ہو جاتا ہے۔[10]

مفتی تقی عثمانی نے وحی پر عقلی شبہات کا رد پیش کیا ہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسے معاملات جن کا ادراک صرف عقل سے نہیں ہو سکتا، وحی ان میں رہنمائی کی ایک صورت ہے اور انبیا کے علاوہ کوئی اس کی صحیح کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مغربی فکر سے مرعوب کچھ لوگوں نے وحی کا انکار کر کے اسے قصہ کہانی قرار دیا۔ سائنسی ترقی کے اس دور میں کچھ لوگ وحی کا کھلم کھلا انکار نہیں کرتے لیکن اس کا تذکرہ کرتے ہوئے شرماتے ہیں۔ منکرین خدا سے وحی کے بارے میں بات کرنا بے فائدہ ہے، ان کے ساتھ سب سے پہلے وجود الٰہی پر گفتگو کی جائے۔ وہ وحی کو دینی اعتقاد کے ساتھ ایک عقلی ضرورت بھی قرار دیتے ہیں۔ وہ کچھ ایسے انسانی اعمال کی مثال بیان کرتے ہیں جس میں کوئی فرد کسی دوسرے انسان کے دل و دماغ پر قبضہ حاصل کر کے اپنی مرضی کا خیال ان میں داخل کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ صوفیوں کی "تصرف خیالی" کے علاوہ مقناطیسی عمل کے ذریعہ انسانی دماغ کو مسخر کرنے والے میسمرزم یا مقناطیسی عمل تنویم اور ہپناٹزم سے عملی مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"مسمیرزم ہو یا ہپناٹزم ،اس کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایک انسان دوسرے کو مسخر کر کے اپنے خیالات اور اپنی باتیں اس کے دل و دماغ میں ڈال دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس خدا نے تصرف خیالی یا عمل تنویم میں اتنی طاقت دی ہے کہ وہ معمولی معمولی

مقاصد کے لئے بعض اوقات بالکل بے کار دوسرے کے دل ودماغ کو مسخر کرلیتا ہے کیا وہ خود اس بات پر قادر نہیں کہ انسانیت کی ہدایت کی خاطر ایک پیغمبر کے قلب کو مسخر کر کے اپنا کلام اس میں ڈال دے۔"[11]

3۔ لفظ "قل" سے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت:

زمانہ جاہلیت کے مشرکین سے لے کر عصر حاضر کے مستشرقین کا یہ اعتراض رہا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ سابقہ لوگوں کے قصے اور کہانیاں ہیں جو پیغمبر اسلام اپنی طرف سے انہیں سنا رہے ہیں۔ قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ پیغمبر اسلام اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ یہ وہی بولتے ہیں جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صبحی صالح نے لفظ قل سے یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ قل صیغہ امر ہے جو قرآن مجید میں 332 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ آپ ﷺ خود نہیں فرما رہے بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ ﷺ فرما دیجیے۔ اس سلسلہ میں چند قرآنی مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

قُل لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ[12]

فرما دیجیے کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا

دوسری آیت جو اس سلسلے میں بیان کی گئی ہے

قُل لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ[13]

فرما دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں

ڈاکٹر صبحی صالح ان آیات کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"مذکورہ صدر آیات کو "قل" (آپ فرما دیں) کے لفظ کے ساتھ شروع کر کے اس جانب اشارہ کیا کہ آپ یہ باتیں اپنی مرضی سے نہیں کہہ رہے۔ آپ مخاطب ہیں متکلم نہیں ہیں آپ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ آپ یوں فرما دیں۔ اس لیے آپ کی مرضی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں "قل" کے لفظ کو تین سو سے بھی زیادہ مرتبہ دہرایا گیا ہے تاکہ

قاری میں یہ احساس پیدا ہو کہ (حضرت) محمد ﷺ قرآن کے
الفاظ کو خود نہیں بناتے بلکہ الفاظ آپ پر نازل کیے جاتے ہیں اور
آپ ان کو دوسروں تک بلا کم و کاست پہنچا دیتے ہیں، اپنے افکار
وخیالات کا اظہار نہیں کرتے۔"[14]

4۔حدیث قدسی:

عام طور پر ایسی بحث علوم القرآن کی کتب میں نہیں پائی جاتی بلکہ علوم الحدیث کی کتابوں میں یہ بحث ملتی ہے مگر آپ نے وحی کے ضمن میں اس پر بحث کی ہے۔علماء اسلام کے نزدیک احادیث قدسیہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوتی ہیں لیکن انہیں قرآن سے علاحدہ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کا سبب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ انہیں قرآن سے علاحدہ رکھنے کے بہت زیادہ شائق تھے۔ حدیث قدسی کے آغاز میں ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کے نازل کردہ کلام کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر صبحی صالح کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح قرآن اور احادیث قدسیہ میں فرق ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے دنیاوی اُمور سے متعلق یہ فرق مزید نمایاں ہو جائے گا۔اس سلسلے میں انہوں نے کھجور کی پیوندکاری کی حدیث کو بطور مثال بیان کیا ہے۔

عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: مَرَرْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْمٍ عَلَى رُءُوسِ النَّخْلِ، فَقَالَ: مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ؟فَقَالُوا: يُلَقِّحُونَهُ، يَجْعَلُونَ الذَّكَرَ فِي الْأُنْثَى فَيَلْقَحُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَا أَظُنُّ يُغْنِي ذَلِكَ شَيْئًا،قَالَ فَأُخْبِرُوا بِذَلِكَ فَتَرَكُوهُ، فَأُخْبِرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ فَقَالَ:إِنْ كَانَ يَنْفَعُهُمْ ذَلِكَ فَلْيَصْنَعُوهُ، فَإِنِّي إِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا، فَلَا تُؤَاخِذُونِي بِالظَّنِّ، وَلَكِنْ إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللهِ شَيْئًا، فَخُذُوا بِهِ، فَإِنِّي لَنْ أَكْذِبَ عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ[15]

موسیٰ بن طلحہ نے اپنے والد سے روایت کی، کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ لوگوں کے قریب سے گزرا جو درختوں کی چوٹیوں پر چڑھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔؟ لوگوں نے کہا: یہ گابھہ لگا رہے ہیں نر (کھجور کا بور) مادہ (کھجور) میں ڈال رہے ہیں اس طرح یہ (درخت) ثمر آور ہو جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا گمان نہیں کہ اس کا کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ لوگوں کو یہ بات بتادی گئی تو انھوں نے (گابھہ لگانے کا) یہ عمل ترک کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا: اگر یہ کام انھیں فائدہ پہنچاتا ہے تو کریں میں نے تو ایک بات کا گمان کیا تھا تو گمان کے حوالے سے مجھے ذمہ دار نہ ٹھہراؤ لیکن جب میں اللہ کی طرف سے تمھارے ساتھ بات کروں تو اسے اپنالو، کیونکہ اللہ عزوجل پر کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

اسی باب کی دوسری حدیث کے آخر میں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

انتم اعلم بامر دنیا کم[16]

تم اپنی دنیا کے معاملات کو زیادہ جاننے والے ہو

صحیح مسلم کی "کتاب الفضائل" میں اس حدیث کو باب نمبر 38 میں درج ذیل عنوان کے تحت بیان کیا گیا ہے:

باب وجوب امتثال ماقاله شرعا دون ماذکره من معايش الدنيا

جو بات آپ شرعی حیثیت سے فرمائیں وہ واجب التعمیل ہے اور دنیوی امور میں جس رائے کا اظہار کریں اس کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔

ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں:

"مندرجہ صدر بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ آنحضورؐ نے اپنے انسانی ظنی اور دنیوی تجربات اور دین کے قطعی وحتمی مسائل واحکام کے مابین قطعی فرق وامتیاز واضح کر دیا تھا۔ آپ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ صحابہ آپ کے دنیوی تجربات کی پیروی نہیں کریں گے۔البتہ شرعی احکام پر دل و جان سے عامل ہوں گے کیونکہ ایسے مسائل خود وضع کر کے آپ خدا پر جھوٹ نہیں باندھا کرتے تھے۔اس حقیقت کو آپ نے اپنے اقوال واعمال سے بخوبی واضح کر دیا تھا۔"[17]

مفتی تقی عثمانی نے اس تصور کو باطل اور قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا ہے کہ قرآن مجید کا صرف مفہوم اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہوا تھا،اس کے الفاظ اور تراکیب وغیرہ حضرت جبرائیلؑ کی یا آنحضور ﷺ کی ایجاد ہیں ۔وہ اس کے جواب میں قرآنی دلائل دیتے ہیں کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا اور عربیت الفاظ کی صفت ہے ،معانی کی نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے فرائض نبوت میں تلاوت آیات شامل تھی اور تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے جابجا اپنے لئے "الکتٰب" کا لفظ استعمال کیا ہے اور لفظ "کتاب" کا اطلاق صرف ذہنی مضامین پر نہیں ہوتا بلکہ جب ان مضامین کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال لیا جاتا ہے تب اسے کتاب کہتے ہیں۔سورہ قیامت کی سولہ سے انیس نمبر آیت کے تحت لکھتے ہیں حضرت جبرائیلؑ جو الفاظ لے کر آتے تھے وہ اللہ تعالی کا کلام ہوتا تھا،اسی لئے اس کے الفاظ یاد کرانے،اس کی تلاوت کا طریقہ سکھانے اور اس کے معانی کی تشریح کرنے کے تینوں کام اللہ تعالی نے اپنے ذمہ لئے ہیں۔حدیث قدسی کے معاملہ میں وہ شیخ عبدالعظیم زرقانی کی تصریح پر اکتفا کرتے ہیں اور اسے ایک اچھی بات قرار دیتے ہیں کہ احادیث قدسیہ کے بارے میں مشہور قول یہی ہے کہ ان کے الفاظ بھی اللہ تعالی کی طرف سے ہوتے ہیں۔[18]

اس طرح حدیث قدسی کی تعریف میں وہ ڈاکٹر صبحی صالح سے مختلف ہیں۔کیوں کہ ڈاکٹر صاحب احادیث قدسی کو الفاظ پیغمبر ﷺ سے جبکہ مفتی صاحب انہیں کلام الہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

5۔نزول قرآن سے متعلق جمہور کی مخالفت:

قرآن مجید کے نزول سے متعلق جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید تین مرتبہ نازل کیا گیا۔ پہلی مرتبہ قرآن مجید کو لوح محفوظ پر نازل کیا گیا۔ دوسری مرتبہ لوح محفوظ سے پہلے آسمان بیت العزت میں نازل کیا گیا۔ تیسری مرتبہ پہلے آسمان سے موقع و محل کے مطابق آہستہ آہستہ نازل ہوا۔

ڈاکٹر صبحی صالح اس رائے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ قرآن تین دفعہ نازل ہوا۔ اگرچہ وہ اس رائے کی تمام اسانید کو درست قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس رائے کے خلاف قرآنی فتوی کی موجودگی میں وہ صحت سند کو ہی کافی نہیں سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ نظریہ خلاف قرآن ہے کیوں کہ قرآن مجید میں تدریجی نزول کا ذکر ہے، یکبارگی نزول کا ذکر نہیں ہے۔[19]

مفتی تقی عثمانی نے قرآن مجید کے دو نزول بیان کیے ہیں۔ وہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کی روایت کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ پہلا نزول لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے ایک مقام "بیت عزت" پر ہوا، جس کی کیفیت اور حکمت کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کی جاسکتی۔ جبکہ دوسرے نزول سے متعلق تقریباً اتفاق ہے کہ دوسرا تدریجی نزول اس وقت ہوا جب آپ ﷺ کی عمر چالیس برس تھی۔ انہوں نے انزال اور تنزیل کا فرق بھی بیان کیا ہے کہ انزال کا معنی کسی چیز کو ایک ہی دفعہ میں مکمل نازل کر دینا کے ہیں اور تنزیل کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا۔ انزال سے پہلا نزول جبکہ تنزیل سے دوسرا نزول مراد ہے۔[20]

ڈاکٹر صبحی صالح چوں کہ جمہور کے نظریہ کے مخالف ہیں اس لئے وہ اکثر علوم القرآن پر لکھنے والوں سے مختلف ہیں۔ وہ صرف تدریجی نزول کے قائل ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ قرآن مجید تینوں مقامات پر بتدریج نازل ہوا جبکہ مفتی تقی عثمانی پہلے نزول کو یکبارگی اور دوسرے کو تدریجی قرار دیتے ہیں۔ مولانا گوہر رحمان کا نقطہ نظر بھی جمہور کے مطابق ہے۔

6۔عہد عثمانی میں جمع وتدوین قرآن:

ڈاکٹر صبحی صالح کی صفت جو انہیں قرآنی علوم کے قدیم مصنفین سے ممتاز کرتی ہے وہ مستشرقین کے اعتراضات کو نقل کر کے ان کو علمی جوابات سے رد کرنا ہے۔ بعض مستشرقین (خاص کر کازانوفا) عہد عثمانی میں ہونے والی جمع و تدوین قرآن کو ایک فرضی افسانہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ افسانہ خلیفہ

عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں تراشا گیا۔ڈاکٹر صبحی صالح اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے تصنیف کرائے گئے شامی مصحف کا مشاہدہ ابن کثیرؒ،ابن الجزری اور ابن فضل اللہ جیسے لوگ کر چکے ہیں۔بعض محققین کے نزدیک یہ قرآن لینن گراڈ کی ایک لائبریری میں قیصر روس کی حفاظت میں رہا اور بعد ازاں اسے انگلینڈ منتقل کیا گیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت بھی دنیا میں وہ نسخے موجود ہیں جو حضرت عثمانؓ نے تصنیف کروائے تھے۔ان میں سے ایک نسخہ ترکی میں ایک میوزیم میں جبکہ دوسرا نسخہ انڈین آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔

ڈاکٹر صبحی صالح کے مطابق مستشرق کازانوفا نے ایک انوکھی اور طفلانہ گپ ہانکتے ہوئے حجاج بن یوسف کو قرآن مجید کا اولین جامع قرار دے دیا۔اس رائے کو نہ تو دنیا کا کوئی سلیم العقل شخص تسلیم کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کے ہم نوا مستشرقین اس رائے کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں۔مستشرق بلاشیر اس فاسد نظریہ کو غلط اور تاریخی حقائق کے منافی قرار دیتے ہوئے رد کر دیتا ہے۔[21]

مفتی تقی عثمانی نے اپنی کتاب میں مستشرقین کے دس شبہات کا علمی محاکمہ پیش کیا ہے۔یہ شبہات زیادہ تر مستشرق مارگولیوتھ کے پیش کردہ ہیں، تاہم حفاظت قرآن کے سلسلہ میں انہوں نے وہ اعتراضات بیان کئے ہیں جن کا خلاصہ منٹگمری واٹ نے بیان کیا ہے۔بعض مستشرقین کے نزدیک عہد صدیقی میں قرآن کریم کی جمع وترتیب کی کوشش نہیں ہوئی بلکہ سرکاری سطح پر اس نوعیت کا پہلا کارنامہ حضرت عثمانؓ نے سرانجام دیا۔انہوں نے دعوی کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت حفصہؓ کے ذاتی نسخہ سے استفادہ کیا تھا کوئی سرکاری سطح پر نسخہ تیار نہیں ہوا تھا۔نیز اگر یہ نسخہ سرکاری تھا تو اگلے خلیفہ کو منتقل کیوں نہ ہوا؟اس کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے فورا بعد خلیفہ کا تقرر نہیں ہو سکا تھا بلکہ ایک کمیٹی بنائی گئی تھی۔اسی طرح انہوں نے فریڈرک شالے کے اس اعتراض کا بھی جواب دیا ہے کہ جنگ یمامہ میں اکثر شہدا نو مسلم تھے، حفاظ نہیں تھے۔انہوں نے ابن کثیر کے بیان کردہ اٹھاون شہدا کے ناموں میں سے چند حفاظ کا ذکر کیا ہے۔انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث کا دفاع کیا ہے جس پر مستشرقین نے اعتراض کیا ہے۔انہوں نے نولدیکی، گولڈزیہر اور آرتھر جیسے مستشرقین کے اس اعتراض کا بھی جواب دیا ہے کہ

مختلف قراء تیں جو معروف ہیں وہ آنحضور ﷺ سے ثابت نہیں ہیں بلکہ مصاحف عثمانی کی تلاوت سے اختلاف قرات پیدا ہوا، کیوں کہ ان نسخوں پر حرکات اور اعراب درج نہیں تھے۔ مفتی صاحب نے اس نقطہ نظر کو بیان کیا ہے کہ مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کریم کی صرف وہی قرات معتبر ہو گی جو صحیح سند کے ساتھ حضور ﷺ سے ثابت ہو گی۔[22]

7۔ قرآنی طباعت کے مختلف ادوار:

ڈاکٹر صبحی صالح نے مستشرقین کی طرف سے قرآن مجید کی مختلف طباعتوں کا ذکر کیا ہے ۔ یہ تفصیلات انہیں قرآنی علوم کے دیگر مصنفین سے منفرد کر دیتی ہے۔ ان کے نزدیک پہلی مرتبہ "البندقیه" کے مقام پر قرآن مجید کو طبع کیا گیا۔ لیکن کلیسا نے ان قرآنی نسخوں کو فوری طور پر ضائع کروا دیا۔ اس کے بعد مستشرق ہنکلمان نے ہینبوگ میں 1694ء میں قرآن کریم کو طبع کیا۔ اس کے بعد مستشرق مراکی نے 1698ء میں پاڈو میں قرآن کریم کو شائع کیا۔ لیکن عالم اسلام میں ان تینوں طباعتوں کو قبول نہیں کیا گیا۔ 1787ء میں پہلی مرتبہ قرآن مجید کو اسلامی طباعت کے زیر اہتمام مولائی عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں شائع کیا گیا۔ 1248ھ / 1828ء میں تہران اور تبریز میں قرآن مجید کو طبع کیا گیا۔ تہران میں قرآن مجید کو پتھروں پر شائع کیا گیا۔ 1834ء میں مستشرق فلوجل نے لیپزگ کے مقام سے قرآن مجید کو بڑے اہتمام سے شائع کیا۔ یہ نسخہ آسان ہونے کی وجہ سے یورپ میں مقبول ہو گیا جبکہ مسلم ممالک میں اسے مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ ہندوستان میں قرآن کریم کو کئی مرتبہ طبع کیا گیا۔ 1877ء میں ترکی کے شہر استنبول میں طباعت قرآن جیسے اہم کام کی ذمہ داری لی گئی۔ 1923ء / 1342ھ میں شیخ الازہر کی سرپرستی میں قرآن مجید کو قاہرہ کے مقام سے شائع کیا گیا۔ شاہ فواد اول نے اس کی نگرانی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ یہ نسخہ بروایت حفص از عاصم ترتیب دیا گیا۔ یہ واقعہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اس نسخہ کو مسلم ممالک میں شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی۔ اس نسخے کی لاکھوں کاپیاں ہر سال شائع کر کے پوری

دنیا میں بھیجی جاتی تھیں۔ اس نسخہ کی طباعت و کتابت کے کامل اور معیاری ہونے پر مسلمانان عالم متفق تھے [23]۔

8۔علوم القرآن کا تاریخی جائزہ:

ڈاکٹر صبحی صالح نے قرآنی علوم کا تاریخی جائزہ پیش کیا ہے۔ عہد نبوی میں نبی مکرم ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے علوم القرآن پر کسی کتاب کو تحریر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ حضرت علیؓ نے ابوالاسود الدؤلی کو قواعد نحو مرتب کرنے کا حکم دیا، جو دراصل علم اعراب القرآن کی تشکیل اور تاسیس کا فریضہ تھا۔ علوم القرآن کے بانی صحابہ میں خلفائے اربعہ، ابن عباس، ابن مسعود، زید بن ثابت، ابی بن کعب، ابو موسیٰ اشعری، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنهم شامل ہیں۔ تابعین میں مجاہد، عطا بن یسار، عکرمہ، قتادہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، زید بن اسلم (رحمهم الله تعالى) اور تبع تابعین میں انس بن مالکؒ قرآنی علوم کو وضع کرنے والے اور بنیاد رکھنے والے تھے۔ عصر تدوین میں علم تفسیر کو باقی تمام علوم پر فوقیت حاصل تھی کیونکہ یہ علم علوم القرآن کی اصل واساس کا درجہ رکھتا تھا۔ عصر تدوین میں علم تفسیر میں شعبہ بن حجاج، سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح نے تصنیف و تالیف کی خدمت انجام دی۔

تیسری صدی ہجری میں قرآنی علوم:

تیسری صدی ہجری کی تفاسیر اقوال صحابہ و تابعین کی جامع تھیں۔ ان کے بعد ابن جریر طبری متوفی 310ھ کا نام قابل ذکر ہے۔ ان کی تفسیر اجل التفاسیر ہے یہ تفسیر روایات صحیحہ، اعراب و استنباط اور قیمتی آرا وافکار کا خزانہ ہے۔ تفسیر بالماثور کے ساتھ تفسیر بالرائے کا بھی آغاز ہوا۔ جہاں تک دیگر علوم القرآن کا تعلق ہے تیسری صدی ہجری میں امام بخاری کے استاد علی بن مدینی نے اسباب النزول کے فن پر ایک کتاب لکھی۔ ابو عبید قاسم بن سلام نے ناسخ و منسوخ القرآءت اور فضائل قرآن پر ایک کتاب تحریر کی۔ اسی طرح محمد بن ایوب الضریس متوفی 294ھ نے مکی ومدنی سورتوں کے بارے میں "فضائل قرآن" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ محمد بن خلف مرزبان متوفی 309 ھ نے "**الحاوی فی علوم القرآن**" کے نام سے ایک کتاب تحریر کی۔ ابن ندیم نے الفہرست میں اس کتاب کی ستائیس جلدوں کا ذکر کیا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں علوم القرآن:

چوتھی صدی ہجری میں ابو بکر قاسم الانباری متوفی 823ھ نے "عجائب علوم القرآن "تصنیف کی۔ اس کتاب کا موضوع فضائل القرآن اور اس کا سات حروف پر نازل ہونا ہے۔ موصوف نے اس کتاب میں مصاحف کی کتابت اور آیات وکلمات اور سورتوں کی تعداد بھی ذکر کی ہے۔ابو الحسن الاشعری نے "المختزن فی علوم القرآن "تصنیف کی یہ بہت بڑی کتاب ہے۔ابو بکر محمد بن عزیز بن عزیزی سجستانی متوفی330ھ نے "غریب القرآن" کے موضوع پر ایک کتاب تحریر کی۔ابو محمد القصاب محمد بن علی کرخی متوفی630ھ نے "نکت القرآن" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ محمد بن علی اوفوی نے "الاستغناء فی علوم القرآن" بیس جلدوں میں تصنیف کی ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں علوم القرآن:

علی بن ابراہیم بن سعید الحوفی (المصری)متوفی430ھ نے "البرہان فی علوم القرآن" اور "اعراب القرآن" دو کتابیں تحریر کی ہیں۔کتاب "البرہان فی علوم القرآن" تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ دراصل یہ قرآن کی تفسیر ہے مگر اس میں بعض علوم القرآن کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔اس کتاب میں غریب ،اعراب اور تفسیر سب کچھ ہے۔ابو عمرو الدانی م نے "التیسیر فی القراء ت السبع" اور "المحکم فی النقط" دو کتابیں لکھیں۔

چھٹی صدی ہجری میں علوم القرآن:

ابو القاسم عبد الرحمٰن جو سہیلی کے نام سے معروف تھے "مبہمات القرآن" کے نام سے ایک کتاب تحریر کی۔ بعض نے اس کا ذکر "التعریف و الاعلام بماابھم فی القرآن فی الاسماء والاعلام" کے نام سے کیا ہے۔ یہ نام کتاب کے تصنیف کرنے کی غرض وغایت سے آگاہ کر دیتا ہے۔اسی زمانے میں محدث ابن الجوزی متوفی597ھ نے دو کتب تصنیف کی ہیں۔ایک کا نام "فنون الافنان فی عجائب القرآن" جبکہ دوسری کا نام "المجتبی فی علوم تتعلق با لقرآن" ہے۔ان دونوں کتب کے قلمی نسخے قاہرہ کے دار الکتب میں موجود ہیں۔

ساتویں صدی ہجری میں علوم القرآن:

ابن عبد السلام نے "مجاز القرآن" کے موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ علم الدین سخاوی نے القراء ت پر ایک کتاب تحریر کی۔ جس کا نام "جمال القراء و کمال القراء" ہے۔ ابو شامہ متوفی 665ھ نے "المرشد الوجیز فی ما یتعلق بالقرآن العزیز" تحریر کی۔ اسکے بعد قرآن کریم سے متعلق نئے نئے علوم کا ظہور ہوا۔ مثلا بدائع القرآن، حجج القرآن، اقسام القرآن اور امثال القرآن۔ ان علوم کی غرض و غایت یہ تھی کہ جزئیات قرآن کا احاطہ کیا جائے۔ اس لیے "علوم القرآن" کا جدید علم وضع کر کے علوم وفنون کو اس میں سمو دیا گیا۔ حضرت امام شافعیؒ کو یمن میں علوی بغاوت کے الزام میں پابہ زنجیر خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے پیش کیا گیا، اس نے جب آپ سے قرآن کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا! قرآن میں بہت سے علوم ہیں، آپ محکم و متشابہ کے بارے میں پوچھتے ہیں یا تقدیم و تاخیر اور ناسخ و منسوخ سے متعلق یا کسی اور مسئلہ کے بارے میں؟

آٹھویں صدی ہجری میں علوم القرآن :

آٹھویں صدی ہجری میں بدر الدین زرکشی نے "البرھان فی علوم القرآن" تصنیف کی، اس کو پروفیسر محمد ابوالفضل ابراہیم نے شائع کیا اور اس کی تحقیق و تدقیق میں بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا۔

نویں صدی ہجری میں علوم القرآن:

نویں صدی ہجری میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ جلال الدین بلقینی نے اپنی کتاب "مواقع العلوم من مواقع النجوم" تحریر کی۔ محمد بن سلیمان کافیجی نے ایک کتاب تصنیف کی۔ امام سیوطی نے اس کا ذکر کیا ہے، ایسی کتاب پہلے نہیں لکھی گئی۔ مگر ہم اس کتاب کے نام و مقام سے آشنا نہیں ہیں۔ بعد ازاں سیوطی متوفی 911ھ نے اپنی کتاب "التحبیر فی علوم التفسیر" اور اس کے بعد "الاتقان فی علوم القرآن" لکھی۔

علوم القرآن پر دیگر چند اہم کتب کا اندراج:

آخری دور میں مختلف علماء نے قرآن کی تاریخ اور اس کے علوم کی جانب توجہ مبذول کی۔ (میں نے آسانی کی خاطر اسے ایک فہرست کی شکل دی ہے۔

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف کا نام
1	التبیان لبعض المباحث المتعلقہ القرآن	شیخ طاہر الجزائری
2	محاسن التاویل	شیخ محمد جمال الدین قاسمی
3	مناہل العرفان فی علوم القرآن	عبد العظیم زرقانی
4	منہج الفرقان فی علوم القرآن	شیخ محمد علی سلامہ
5	الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم	شیخ طنطاوی جوہری
6	اعجاز القرآن	مصطفٰی صادق رافعی
7	التصویر الفنی فی القرآن، تفسیر فی ظلال القرآن	سید محمد قطب شہید
8	الظاہرۃ القرآنیہ	شیخ مالک بن نبی
9	المنار (اس تفسیر میں علوم القرآن کے بارے میں بڑی عمدہ بحثیں ہیں)	سید امام محمد رشید رضا
10	النباء العظیم، نظرات الجدیدۃ فی القرآن	ڈاکٹر محمد عبد اللہ دراز
11	نظرات فی القرآن	استاد محمد غزالی
12	المنہل الخالد	پروفیسر محمد مبارک

9۔ اسباب نزول سے متعلق متقدمین کی تصانیف پر نقد وجرح:

ڈاکٹر صبحی صالح نے اَسباب نزول سے متعلق لکھنے والے علماء پر نقد کی ہے۔ وہ واحدی کی کتاب کو پیچیدہ، مبہم، مجمل اور مغلق قرار دیتے ہیں۔ واحدی کی کتاب کے اختصار میں یہ نقص ہے کہ اسانید کو حذف کر دیا گیا لیکن اس میں ترمیم نہیں کی گئی ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اَسباب نزول کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی جو شائع نہیں ہو سکی تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام سیوطی کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابن حجر کی کتاب سے استفادہ ضرور کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی کتاب کو متقدمین کی کتب پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "لباب النقول فی أسباب النزول" کو ایک لاثانی کتاب قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صبحی صالح کے نزدیک اس اظہار فخر کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔

وہ متقدمین کی کتب کو مبہم، مجمل قرار دینے کے علاوہ انہیں تاریخی، منطقی اور نادر اغلاط کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ وہ واحدی کی تاریخی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے:

وَمَن اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ اَنْ يَّذْكُرَ فِيْهَا اسمُهُ[24]

اوراس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگادے کہ ان میں اللہ کانام لیاجائے.

واحدی اس آیت کے سلسلے میں غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس غلطی کو قرآن کے سر تھوپتے ہیں۔ واحدی قتادہ کے قول کو نقل کرتے ہوئے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت بخت نصر بابلی اور اس کے رفقا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ رومی عیسائیوں نے بخت نصر کے ساتھ مل کر بیت المقدس کو تباہ کیا تھا۔ ابن جریر طبری نے بھی اسی قول کو درست قرار دیا ہے۔ جبکہ بخت نصر کا واقعہ 633 سال قبل مسیح پیش آیا تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اکابر علماء اور حفاظ سے بھی اغلاط سرزد ہوتی رہتی ہیں یا اس سے مراد بخت نصر ثانی ہو سکتا ہے، جو حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے 130 سال بعد بیت المقدس آیا تھا۔ یہاں مصنف نے کوئی رائے قائم نہیں کی ہے۔

ان کے نزدیک واحدی کی یہ غلطی قابل معافی ہے کیوں کہ وہ مورخ نہیں تھے اور انہوں نے قتادہ کے قول پر تنقید اور تبصرہ تحریر نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے درست نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اس آیت کا صحیح شان نزول صلح حدیبیہ کا وہ گوشہ ہے، جب انہوں نے نبی مکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔

مفتی تقی عثمانی کے ہاں اسباب نزول کی تصریحات میں متقدمین پر ایسی نقد و جرح موجود نہیں ہے وہ شان نزول کی اہمیت اور اس کے فوائد بیان کرتے ہیں۔ اسباب نزول پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے موقف کو بیان کرتے ہیں۔ سبب نزول اور احکام کے عموم و خصوص، سبب نزول اور اختلاف روایات اور تکرار نزول اور اس کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں۔

10۔آغاز وحی سے متعلق شکوک وشبہات:

مستشرقین نے بعثت نبوی کے وقت حضور ﷺ کی عمر معلوم کرنے کی کوشش کی۔ان کا استدلال درج ذیل آیت سے تھا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ[25]

میں اس سے پہلے بھی عمر بھر تمہارے اندر رہاہوں

بعض مفسرین کی تفہیم یہ تھی کہ عمر کا اطلاق ہمیشہ چالیس سال پر ہوتا ہے۔مستشرقین نے جہالت وتعصب کی بنیاد پر شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ اس سلسلہ میں بیان ہونے والی روایات کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان میں اضطراب اور تناقض پایا جاتا ہے۔بعض مستشرقین عربوں اور سامیوں کے اس خیال سے استدلال کرتے ہیں کہ چالیس کے عدد میں بڑے باریک جادوئی خصائص پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صبحی صالح اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ تعدد روایات سے اضطراب لازم نہیں آتا۔تناقض تب موجود ہوتا ہے جب مساوی درجہ کی روایات میں کوئی وجہ ترجیح موجود نہ ہو۔تاہم اس سلسلہ میں نسبتا صحیح اور متواتر احادیث کو درج کیا گیاہے۔دراصل مستشرقین کا مقصد آغاز وحی کو مشکوک بنانا ہے۔[26]

11۔مستشرقین اور ترتیب قرآن:

ڈاکٹر صبحی صالح کے نزدیک علماء اسلام قرآنی سور کو دعوت اسلامی کے مختلف ازمنہ اور مراحل کے مطابق ترتیب دینے کے لئے روایات کی تحقیق میں کافی محنت کرتے ہیں۔لیکن مستشرقین روایات اور راویوں کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔وہ قرآن مجید کو سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں مرتب کرنے کو مشکوک تصور کرتے ہیں۔مستشرقین ایک طرف قرآن کو زمانی ترتیب کے مطابق مرتب کرنے کے مدعی ہیں جبکہ دوسری طرف وہ ترتیب قرآن کے سلسلہ میں کسی صحیح روایت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔اگر روایات میں تشدد کی بنیاد پر صرف صحیح روایات کو تسلیم کرتے تو معاملہ مشکل نہیں تھا۔

علماء اسلام نے بھی مکی و مدنی سورتوں کی ترتیب، تدریجی تعلیمات وارشادات اور دیگر مضامین کے بارے میں ضعیف روایات کو مسترد کر دیا ہے۔ کچھ انصاف پسند مستشرقین مسلمان علماء سے بالکل مختلف نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر پروفیسر غریم نے سور قرآنی کی ترتیب کے سلسلہ میں صحیح روایات اور اسانید اسلامیہ پر اعتماد کیا ہے۔ پروفیسر غریم پر دو اعتراضات کیے جاسکتے ہیں:

پہلا اعتراض یہ ہے کہ پروفیسر غریم صحیح اور سقیم روایات کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا، نیز وہ دیگر مستشرقین کی طرح نقد وجرح کی صلاحیت سے محروم ہے اسی لئے اس نے ترتیب قرآن کی بنیاد ضعیف اور باطل اسانید پر رکھی ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ غریم نے از خود اپنے اوپر یہ شرط عائد کی تھی کہ وہ ترتیب قرآن میں روایات پر اعتماد کرے گا لیکن وہ اکثر مقامات پر اس شرط کو پورا نہیں کر سکا۔ منحرف ہونے کی یہ روش اس نے مستشرق نولڈیکی کی پیروی میں اختیار کی ہے۔ وہ وحی قرآنی کے اَدوار اور مراحل کے بارے میں نولڈیکی کا پیروکار ہے۔ جس نے قرآن کی ترتیب زمانی غیر اسلامی طریقہ پر انجام دی ہے۔ [27]

انیسویں صدی کے وسط میں ولیم میور نے نزول قرآن کے مراحل کو چھ حصوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے پانچ مراحل مکہ میں اور ایک مرحلہ مدینہ میں طے پایا۔ میور نے زیادہ تر رسول مکرم ﷺ کی سیرت اور اس کی اسانید پر اعتماد کیا ہے۔ آپ کی سیرت کا تنقیدی مطالعہ کیا اور بہت سی تاریخی معلومات جمع کر دیں۔ مگر اس کے باوجود اس سے بہت زیادہ اغلاط سرزد ہوئی ہیں۔ اس نے بہت سی ضعیف روایات کا سہارا لیا۔ [28]

ترتیب قرآن کے سلسلہ میں مستشرق ویل نے 1844ء سے 1876ء تک کوشش کی لیکن اس نے اسلامی روایات اور اسانید کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے۔ مستشرق بلاشیر نے اس سلسلہ میں اسے منفرد اور مفید قرار دیا ہے۔ نولدیکی اس کا پرجوش حامی ہے بلکہ ترتیب قرآن کے سلسلہ میں اس کا ماخذ زیادہ تر ویل کے دراسات ہیں۔ ویل نے نزول قرآن کو چار مراحل میں تقسیم کیا ہے جن میں سے تین کا تعلق مکہ سے اور ایک کا تعلق مدینہ سے ہے۔ نولدیکی ہر مرحلہ میں ویل سے معمولی اختلاف کرتا ہے۔ [29]

12۔ حروف مقطعات اور مستشرقین:

حروف مقطعات کی تفسیر میں مستشرقین نے علماء اسلام کی طرح گمان اور اندازے سے کام لیا ہے۔ان کلمات کی حقیقی مراد اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔مستشرق اسپرینگر نے طسم سے لا یمسه الا لمطھرون کی طرف اشارہ کرنے کو مقصود بتایا ہے جو کہ ایک بے کار رائے ہے۔نولدیکی نے حروف مقطعات کو قرآن میں اضافہ قرار دیا ہے۔اس کے نزدیک حروف مقطعات ان صحابہ کرامؓ کے اسماء کی ترجمانی کرتے ہیں جن کے پاس قرآنی سور کے نسخے موجود تھے۔لیکن اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا اور اس نے اس نظریہ سے رجوع کر لیا تھا۔جبکہ مستشرق بلاشیر نے علماء اسلام کے نقطہ نظر کو درست قرار دیا ہے۔ان کے نقطہ نگاہ پر تین مختلف مراحل اور ادوار گزرے ہیں اور آخر کار اس نے ایک پختہ اور مستحکم نظریہ کی صورت اختیار کر لی۔ڈاکٹر صبحی صالح نے نزدیک قرآنی سورتوں کو حروف مقطعات کے ساتھ شروع کرنے کی حکمت و مصلحت پر سب سے بہتر روشنی سید رشید رضا نے ڈالی ہے۔[30]

بعض مفسرین نے حروف مقطعات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ ان کے اپنے خیالات یا اندازے ہیں۔امت کا اجتماعی موقف اور حقیقت یہ ہے کہ حروف مقطعات کا معنی اور مفہوم اللہ تعالی کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے۔اگر نبی اکرم ﷺ کو ان حروف کا معنی مفہوم معلوم تھا(جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے)تو آپ ﷺ نے اس سے امت کو آگاہ نہیں فرمایا۔

13۔ناسخ و منسوخ پر مختلف موقف:

ڈاکٹر صبحی صالح کے نزدیک نسخ کو تین اقسام میں تقسیم کرنا درست نہیں ہے۔یہ کہنا کہ پہلی قسم ان آیات کی ہے جن کا حکم منسوخ ہے تلاوت نہیں، دوسری قسم ان آیات کی ہے جن کی تلاوت منسوخ ہے مگر ان کا حکم باقی ہے، تیسری قسم ان آیات کی ہے جن کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہیں۔پہلی قسم کے شواہد و دلائل موجود ہیں لیکن دوسری دو اقسام خبر واحد اور ایک دو شواہد ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔ڈاکٹر صبحی صالح اس سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

> "اگر وہ (علماء نسخ) چاہیں تو قسم اول کے بہت سے شواہد پیش کر سکتے ہیں، اس لیے کہ اس قسم میں نص قرآنی بدستور موجود ہوتی ہے۔البتہ بعض تشریعی مصالح کے پیش نظر اس کا حکم باقی نہیں

رہتا مگر آخری دونوں قسموں میں عجیب جرأت سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ ان میں خاص آیات کی تلاوت کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے پھر یا تو ان کا حکم بھی منسوخ ہوتا ہے یا منسوخ نہیں ہوتا۔ جو قائلین نسخ کے رویہ پر غور کرتا ہے۔ اس پر جلد ہی ان کی غلطی منکشف ہو جاتی ہے۔ نسخ کو مختلف انواع واقسام میں تقسیم کرنا صرف اسی صورت میں درست ہے جب کہ اس قسم کے دلائل و شواہد اگر زیادہ نہیں تو کم از کم کافی ضرور ہوں۔ حالاں کہ ان کے پاس ان آخری دو قسموں میں سے ہر قسم کے صرف ایک یا دو شاہد پائے جاتے ہیں۔ وہ اس ضمن میں اخبار احاد سے احتجاج کرتے ہیں۔ جب کہ قرآن کے نزول یا نسخ پر اخبار احاد سے احتجاج کرنا درست نہیں ہے۔ ابن ظفر نے اپنی کتاب "الینبوع" میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خبر واحد سے قرآن کا اثبات نہیں ہوتا۔"[31]

ان کے برعکس مفتی تقی عثمانی نے نسخ سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی ہیں۔ انہوں نے یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالی کے احکامات میں نسخ نہیں ہو سکتا اور نسخ کو ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالی بھی اپنی رائے میں تبدیلی کر لیتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ نسخ کا معنی رائے کی تبدیلی نہیں بلکہ ناسخ پہلے حکم کی مدت نفاذ کو متعین کرتا ہے۔ ناسخ ومنسوخ کی مثال اس ڈاکٹر کی طرح ہے جو مریض کی حالت دیکھ کر دوائی کو تبدیل کر دیتا ہے۔ تمام کارخانہ قدرت ناسخ ومنسوخ کے اصول پر چل رہا ہے۔ نیز سابقہ شرائع میں بھی ناسخ ومنسوخ کا سلسلہ جاری تھا۔ انہوں نے منسوخ الحکم آیات کے باقی رہنے کی مصالح کا ذکر کیا ہے۔ ابو مسلم اصفہانی سے لے کر عصر حاضر کے تجدد پسندوں تک اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ دراصل وہ نسخ کو ایک عیب سمجھتے ہیں اس لئے وہ قرآن مجید کی کسی آیت کو منسوخ قرار نہیں دیتے اور منسوخ آیات کی ایسی تاویل کرتے ہیں کہ نسخ کو تسلیم ہی نہ کرنا پڑے۔[32]

(I) منسوخ آیات کی تعداد:

علامہ جلال الدین سیوطی اور شاہ ولی اللہ کے برعکس ڈاکٹر صبحی صالح کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد دس ہے۔ وہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

> "ہماری رائے میں جن آیات کو منسوخ قرار دیا جاسکتا ہے ان کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہے مگر ہم امام سیوطی پر نقد و جرح کرنے کی بجائے قاری کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ان کے ارشادات پر زحمت غور و فکر گوارا کرے کچھ بعید نہیں کہ ہمارے مذکورہ صدر بیانات کے پیش نظر ان بہت سی آیات کو منسوخ قرار دینے کی بجائے امام سیوطی کے برعکس ان کو تخصیص و انساء یا تاخیر البیان پر محمول کرنے لگے۔"[33]

منسوخ آیات کی تعداد میں اختلاف کی بنیادی وجہ نسخ کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ نسخ کی اصطلاح متقدمین اور متاخرین کے درمیان مختلف رہی ہے۔ متقدمین کے ہاں نسخ کی بہت سی ایسی صورتیں موجود تھیں جو متاخرین کے ہاں نسخ قرار نہیں دی جاتی ہیں۔ جیسے متقدمین کے نزدیک عام کو خاص اور مطلق کو مقید قرار دینا نسخ میں شامل تھا، لیکن متاخرین کے نزدیک اسے نسخ میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ غرض متقدمین کے نزدیک نسخ کا مفہوم وسیع جبکہ متاخرین کے نزدیک یہ محدود تھا۔ اسی فرق کی وجہ سے متقدمین کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد بہت زیادہ جبکہ متاخرین کے نزدیک ان کی تعداد بہت کم ہے۔ صحابہ و تابعین کے نزدیک قرآن مجید کی منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے۔ امام سیوطیؒ (اور ابن عربی) کے ہاں منسوخ آیات کی تعداد اکیس تھی جن میں سے بعض کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے۔ پھر امام سیوطی نے اپنے قول سے رجوع کرتے ہوئے آیت استیذان اور آیت القسمۃ کو غیر منسوخ اور محکم قرار دیا۔ اس طرح ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد انیس ہوگئی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد پانچ ہے۔ جدید رجحان کے مطابق قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔

14۔ عصر حاضر کی چند اہم تفاسیر کا تذکرہ:

علوم القرآن کی کتابوں میں قدیم عربی تفاسیر کا مختصر ذکر ملتا ہے لیکن مصنف کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے قدیم تفاسیر کے ساتھ چند جدید تفاسیر کا بھی ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"دور حاضر میں ہمارے بعض معاصر علماء نے قرآن کریم کی تفاسیر لکھی ہیں جو جدت طرازی کا آئینہ دار ہیں۔ان میں ناکام ترین تفسیر طنطاوی جوہری کی "الجواہر فی تفسیر القرآن" ہے۔اس میں تفسیر کے سوا سب کچھ موجود ہے۔علامہ سید محمد رشید رضا کی تفسیر المنار ایک خاص طرز وانداز کی حامل ہے، اس میں آثار سلف کو پیش کر کے ان کو دور حاضر کے مقتضیات سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی گئی ہے۔علامہ موصوف اس میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔مگر بعض اوقات وہ ضعیف اقوال کو لے کر ان کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔تاہم بحیثیت مجموعی وہ قرآنی ہدایت واعجاز کی ترجمانی کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔سید قطب شہیدؒ کی تفسیر فی ظلال القرآن ،قرآنی تعبیر وتصویر کے فہم وادراک میں بڑی حد تک معاون ثابت ہوتی ہے مگر ان کا بڑا مقصد قرآنی مبادی ومقصد کا کشف و اظہار ہے۔اس لیے وہ تعلیم کی نسبت توجیہہ سے قریب تر ہے۔ "[34]

مفتی تقی عثمانی نے اپنی کتاب کے دوسرے حصے "علم تفسیر" کے چوتھے باب میں قرون اولی کے بعض مفسرین کا ذکر کرنے کے بعد متاخرین کی سات تفسیروں کا ذکر کیا ہے۔جن میں تفسیر قرطبی، بیان القرآن اور معارف القرآن کے تذکرہ میں مختلف ہیں۔تاہم ڈاکٹر صبحی صالح نے مفتی تقی عثمانی کی نسبت زیادہ تفاسیر کا ذکر کیا ہے۔

15۔اعجاز القرآن کے سلسلہ میں متاخرین کی خدمات جلیلہ کا اعتراف:

متاخرین کی خدمات جلیلہ کے سلسلہ میں استاد شیخ محمد عبدہ کے شاگرد سید رشید رضا کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے تفسیر "المنار" کے سلسلہ میں خاطر خواہ کام کیا ہے۔ وہ مشہور ادیب مصطفی صادق الرافعی کی خدمات کا ذکر کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب تاریخ آداب العرب کی دوسری جلد کو قرآن اور بلاغت نبویہ کے لئے وقف کر دیا اور قرآن کے صوتی نظم وربط کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے۔ لیکن ان سب سے زیادہ وہ سید قطب کی کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" کو ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک

> "یہ کتاب استنباط صحیح اور پختگی فکر و نظر میں یکتا اور منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ سید قطبؒ نے اس کتاب میں قرآن کے فنی حسن وجمال کو بڑے ہی جاذب و دلکش طرز انداز میں بیان کیا ہے۔"[35]

مفتی تقی عثمانی نے اعجاز القرآن پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، لیکن اس حوالے سے متاخرین کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔

16۔ کتاب کے مصادر و مراجع:

کتاب "مباحث فی علوم القرآن" 97 کتب سے اخذ کی گئی ہے۔ جس میں قدیم و جدید کتب تفسیر، احادیث، تاریخ، علوم القرآن پر مشتمل کتابوں سے حوالے پیش کیے گئے ہیں جو کہ تمام عربی زبان میں اسلامیات کی نادر کتب ہیں۔ مصنف نے کتاب کی عبارت کے ساتھ ساتھ حوالہ و حواشی بھی لکھے ہیں اور آخر میں ان کتابوں کی فہرست بھی دی ہے۔ جس کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مصنف نے یہ تالیف تحقیقی انداز میں پیش کی ہے۔ علوم القرآن کے موضوعات میں زیادہ تر "البرہان فی علوم القرآن" از علامہ بدر الدین زرکشی اور "الاتقان فی علوم القرآن" از علامہ جلال الدین سیوطی سے نقل کرتے ہیں اور انہیں تحقیقی انداز میں پیش کرتے ہیں۔

خلاصہ بحث:

ڈاکٹر صبحی صالح نے ایک استاد، خطیب اور محقق کے طور پر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ کئی کتب کے مصنف اور مقالہ جات کے نگران بھی مقرر ہوئے۔ انہوں نے عرب دنیا کے طلباء کو قرآنی علوم سے متعارف کرنے کے لئے خطبات دیئے جو بعد میں ایک کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ اس کتاب میں حقیقت وحی، تاریخ قرآن، علوم القرآن اور اعجاز القرآن پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ علوم القرآن کی تصنیف میں وہ چند مباحث کے لحاظ سے باقی مصنفین سے مختلف رہے۔ جن میں لفظ قرآن کی وضاحت مختلف اور جامع انداز میں کی ہے۔ مستشرقین کے مقابلہ میں وحی کے اصل مفہوم کا دفاع کیا ہے۔ لفظ قل سے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ حدیث قدسی اور قرآن کے فرق کو بیان کرتے ہوئے دینی اور دنیاوی معاملات کے فرق سے آگاہ کیا ہے۔ یکبارگی نزول کے سلسلہ میں جمہور کی مخالفت کی ہے۔ علوم القرآن کا تاریخی جائزہ پیش کیا ہے اور تیسری سے نویں صدی ہجری تک کی اہم کتب سے آگاہ کیا ہے۔ علوم القرآن کی چند معاصر کتب کی فہرست بھی فراہم کی ہے۔ اسباب نزول کے سلسلہ میں متقدمین کی اغلاط کی نشاندہی کی ہے اور امام جلال الدین سیوطی کے تفاخر کا رد کر دیا ہے۔ انہوں نے یہ واضح کیا ہے کہ مستشرقین نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت عمر مبارک کو مشکوک بنا کے سلسلہ وحی کو مشکوک بنانا چاہتے ہیں۔ ترتیب قرآن اور حروف مقطعات پر روایتی انداز میں لکھنے کی بجائے مستشرقین کی کوششوں کا ذکر کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی خامیوں سے آگاہ کرتے ہیں۔ حروف مقطعات کے بیان اور توضیح میں سید رشید رضا کے موقف کی تائید کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک تلاوت اور حکم کے اعتبار سے ناسخ و منسوخ کی تقسیم درست نہیں ہے۔ ان کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد دس ہے۔ علم تفسیر کے سلسلہ میں وہ چند اہم اور معاصر عربی تفاسیر کا ذکر کرتے ہیں۔ اعجاز القرآن کے بیان میں وہ متاخرین کی خدمات جلیلہ کے معترف ہیں اور سید قطب شہید کی کتاب التصویر الفنی فی علوم القرآن کو ایک اہم خدمت قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کو 97 کتب سے اخذ کر کے جامع بنا دیا ہے۔ چند ایک مشترکات کے علاوہ انہوں نے مفتی تقی عثمانی سے مختلف کتاب تحریر کی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

[1]Shamela.ws/index.php/author/1263 accessed on 4 November 2022at 19:27 Pm.
[2]Shamela.ws/index.php/author/1263 accessed on 4 November 2022at 19:27 Pm.

[3]صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن (فیصل آباد: ملک سنز پبلشرز، 2007ء) ص: 29

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran (Faisalabad:Malik Sons Publishers,2007CE)P: 29

[4]محمد تقی عثمانی، مفتی، علوم القرآن (کراچی: مکتبہ دار العلوم، 2008ء) ص: 18،19

Muhammad Taqi Usmani,Mufti,Ulum al-Quran (Karachi: Maktabah Darululoom ,2008CE)P:18,19

[5]غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین (فیصل آباد، کشمیر بک ڈپو، 2000ء) ص: 253

Ghulam Ahmed Hariri,Tareekh e Tafseer w Mufassareen (Faisalabad: Kashmir Book Depot,2000CE)P: 253

[6]صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، ص: 182،183

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran,P: 182,183

[7]القیامة 75: 17،18

Al-Qiyaama 75: 17,18

[8]صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، ص: 34–38

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P: 34-38

[9]فصلت 41: 26

Fussilat 41: 26

[10]صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، ص:: 48

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P:48

[11] محمد تقی عثمانی، مفتی، علوم القرآن، ص: 43–48

Muhammad Taqi Usmani,Mufti,Ulum al-Quran,P:43-48

[12]الاعراف 7: 188

Al-A'raaf 7:188

[13]الانعام 6: 50

Al-An'aam 6:50

[14]صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، ص: 55

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P:55

[15]مسلم بن حجاج ،صحيح مسلم ،كتاب الفضائل ،باب وجوب امتثال ماقاله شرعا دون ماذكره من معايش الدنيا ،رقم:6275

Muslim bin Hujaj ,Sahih Muslim ,Kitab al fazail ,Chapter Wajub e aimtithal ma qalahu sharean dun min maeayish aldunya,hadith number:6275

[16] ايضا ،رقم:6277

ibid,Hadith No :6277

[17]صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، ص: 61

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P:61

[18] محمد تقی عثمانی، مفتی، علوم القرآن، ص:48-50

Muhammad Taqi Usmani,Mufti,Ulum al-Quran,P:48-50

[19] صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، ص:84،85

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P:84,85

[20] محمد تقی عثمانی، مفتی، علوم القرآن، ص:53-55

Muhammad Taqi Usmani,Mufti,Ulum al-Quran,P:53-55

[21] صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، ص:135-137

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P:135-137

[22] محمد تقی عثمانی، مفتی، علوم القرآن، ص:227-236

Muhammad Taqi Usmani,Mufti,Ulum al-Quran,P:227-236

[23] صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، ص:151،150

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P:150,151

[24] البقرہ2:114

Al-Baqara 2: 114

[25] یونس،10:16

Yunus 10:16

[26] صبحی صالح، علوم القرآن، ص:237-240

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P:237-240

[27] صبحی صالح، علوم القرآن، ص:253-255

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P:253-255

[28] ایضا

ibid

[29] ایضا، ص:256

ibid.P:256

[30] ایضا، ص:344-346

ibid.P:344-346

[31] ایضا، ص:377،376

ibid.P:376,377

[32] محمد تقی عثمانی، مفتی، علوم القرآن، ص:159-172

Muhammad Taqi Usmani,Mufti,Ulum al-Quran,P:159-172

[33] صبحی صالح، علوم القرآن، ص:391

Sobhi Saleh ,Doctor,Ulumal-Quran, P:391

[34] ایضا، ص:423

ibid.P:423

[35] ایضا، ص:449،448

ibid.P:448,449